جلد ۱۰ شمارہ ۱۸، ۲۰۲۵

Article

Urdu Short Story in Pakistan: A Research Study

پاکستان میں اُردو افسانہ: ایک تحقیقی مطالعہ

Dr. Tahmina Abbas[*1]
[1] Assistant Professor, Department of Urdu, University of Karachi.
*Correspondence: t.abbas@uok.edu.pk

ڈاکٹر تہمینہ عباس[1]
[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جامعہ کراچی

eISSN: 0000-0000
pISSN: 0000-0000

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Copyright: © 2025 by the authors.

Abstract:
This research paper explores the historical development of the Urdu short story in Pakistan. The evolution of Urdu fiction is closely tied to the country's socio-political and cultural circumstances. After the creation of Pakistan, themes such as migration, communal violence, identity, and resettlement initially dominated the narrative. The 1965 war and the Fall of East Pakistan gave Urdu fiction a new direction, reflecting national tragedies and a sense of psychological defeat.
Later, the martial law of 1977 and the execution of Zulfiqar Ali Bhutto fostered symbolic and resistance literature, where themes of oppression, fear, and political uncertainty were expressed through fiction. Ethnic conflicts in Karachi and Sindh, enforced disappearances in Baluchistan, and nuclear explosions further influenced Urdu fiction. General Musharraf's 1999 martial law and the 2005 earthquake gave rise to stories about human tragedy and state responses.
After 9/11, stories centered on terrorism, war, and identity crisis began to appear, while the COVID-19 pandemic brought existential fear and isolation into the literary narrative. Thus, Urdu fiction in Pakistan has not only remained a creative literary form but has also become a documentary narrative that reflects and critiques the nation's history.
Keywords:

Cultural influences, Migration, Riots, Identity, Resettlement, 1965 War, Martial Law, Zulfiqar Ali Bhutto, Political uncertainty, Ethnic riots

پاکستان اپنی عمر کے ۷۸ سال پورے کر چکا ہے۔ اس عرصے میں سیاسی اعتبار سے بہت سے واقعات رونما ہوئے جیسے قیامِ پاکستان کے بعد غیر مستحکم حکومتیں، اقتدار کی سازشیں، حکومتوں کی تبدیلی، مارشل کا نفاذ، جمہوری حکومتوں کا ٹوٹنا، بد عنوانی، کرپشن، قدرتی آفات، مارشل لا کا نفاذ، سقوطِ ڈھاکہ، لیاقت علی خان کی شہادت، ضیاء الحق کا پلین کریش، بے نظیر بھٹو کی شہادت، ۸؍ اکتوبر کا زلزلہ، ۲۰۱۰ء کا اور ۲۰۲۲ء کا سیلاب اور کرونا جیسا وبائی مرض۔ ان عام واقعات کے اثرات براہِ راست اُردو افسانے پر نظر آتے ہیں[۱]۔ اگرچہ اُردو افسانے کی باقاعدہ بنیاد انیسویں صدی کے آغاز میں رکھی گئی، لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد برِّصغیر میں جنم لینے والے سیاسی، سماجی اور مذہبی تغیرات نے اس صنفِ ادب پر گہرے اثرات ڈالے۔ فرقہ وارانہ کشیدگی، مذہبی تعصبات، نسلی و طبقاتی امتیاز، تقسیمِ بنگال اور قحط جیسے سانحات، دو قومی نظریے کی تشکیل، نیز کانگریس و مسلم لیگ کی سیاسی کشمکش، خلافت اور ترکِ موالات جیسی تحریکیں، تبدیلی مذہب، شدھی، سنگھٹن اور تبلیغی تحریکوں کے اثرات، کسان، ہریجن، زمیندار، ساہوکار اور حکومتی اہلکاروں کے درمیان تنازعات، برطانوی حکومت کا جابرانہ طرزِ عمل اور قیامِ وطن کی جدوجہد یہ تمام عناصر اُردو افسانے کا حصّہ بنتے گئے اور اس کے موضوعات کو وسعت دیتے چلے گئے[۲]۔ قیامِ پاکستان کے بعد نو آزاد مملکت کو تاریخ کی سب سے بڑی ہجرت کا سامنا ہوا، جس کے لیے نہ تو مطلوبہ انتظامات موجود تھے اور نہ ہی وسائل دستیاب تھے۔ ایک طرف محدود معاشی و انتظامی صلاحیتیں تھیں، تو دوسری طرف مہاجرین کا بے پناہ ہجوم، جو اپنے ساتھ بے شمار مسائل اور مشکلات لے کر آیا۔ ان نازک حالات میں انسانی فطرت کے وہ رخ سامنے آئے جو عام حالات میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ لالچ، خود غرضی، مفاد پرستی اور بے حسی جیسے رویے اُبھرتے گئے، اور انھی تلخ تجربات نے اُردو افسانے کو ایسے موضوعات فراہم کیے جو نہ صرف وقت کی ترجمانی کرتے ہیں بلکہ انسان کی داخلی کمزوریوں کو بھی بے نقاب کرتے ہیں[۳]۔ نوزائیدہ ریاست پاکستان کو اپنی تشکیل کے ابتدائی ایّام ہی میں متعدد سنگین مسائل کا سامنا تھا۔ رفیوجی کیمپوں میں لاکھوں مہاجروں کی عارضی رہائش، ان کی مستقل آبادکاری کی مہم اور ہندوؤں و سکھوں کی متروکہ جائیدادوں پر کلیم کا پیچیدہ نظام، یہ سب ایک طرف ریاستی نظم و نسق کے لیے ایک چیلنج تھے، تو دوسری طرف ان جائیدادوں پر جائز و ناجائز قبضوں نے معاشرتی و اخلاقی بحران کو جنم دیا۔ یہ مسائل محض انتظامی نوعیت کے نہ تھے، بلکہ ایک نئے ملک کی تعمیر و تشکیل میں بنیادی رکاوٹیں ثابت ہوئے، جن کے اثرات نے نہ صرف سماج بلکہ اُردو افسانے کی موضوعاتی دنیا کو بھی متاثر کیا[۴]۔ تقسیمِ ہند بیسویں صدی کے اُن المناک واقعات میں شمار ہوتی ہے جس نے انسانی تاریخ کو خون آلود کر دیا۔ محتاط اندازوں کے مطابق ایک کروڑ سے زائد افراد نے اپنی جنم بھومی کو خیر باد کہا اور ایک نئی سرزمین پر زندگی کی تلاش میں نکلے۔ اس عظیم ہجرت کے دوران نہ صرف لاکھوں افراد بے دردی سے قتل کیے گئے، بلکہ مال و متاع، جائیداد اور انسانی وقار کی بھی بے رحمانہ پامالی ہوئی۔ عورتوں کی عصمت دری، جنسی تشدد، اجتماعی زیادتیاں اور کوٹھوں پر لڑکیوں کی فروخت جیسے مظالم نے انسانیت کو شرمسار کر دیا۔ بعض مقامات پر حاملہ خواتین کو درندگی

کانشانہ بنایا گیا اور زندہ عورتوں کی تذلیل کو جشن کا روپ دے کر جلوسوں میں ننگا گھمایا گیا۔ یہ سب کچھ انسان کی حیوانیت کی ایسی مثالیں ہیں جو آج بھی دل دہلا دیتی ہیں ۵۔ اُردو افسانے میں فسادات کے موضوع پر لکھنے والے افسانہ نگاروں میں کرشن چندر کا نام سب سے نمایاں ہے۔ انھوں نے تقسیمِ ہند کے بعد برپا ہونے والے فسادات کو نہایت دردمندی اور فنی مہارت کے ساتھ اپنے افسانوں میں پیش کیا۔ ان کی متعدد کہانیاں فسادات کے پس منظر میں لکھی گئیں، جنھیں بعد ازاں افسانوں کے مجموعے ''ہم وحشی ہیں'' کے تحت یکجا کیا گیا۔ اس مجموعے میں شامل افسانے اندھے، لال باغ، ایک طوائف کا خط، جیکسن، امرتسر اور پشاور ایکسپریس، انسانی المیے کی گواہی دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ''جانور'' اور ''دوسری موت'' بھی اسی موضوع کے گرد گھومتے ہیں۔ ان تمام افسانوں میں ''پشاور ایکسپریس'' کو فنی لحاظ سے خاص طور پر اہمیت حاصل ہے، جس میں کرشن چندر نے ایک ٹرین کے سفر کے ذریعے فسادات کی سفاک حقیقت کو نہایت مؤثر انداز میں مجسم کر دیا ہے۔ ان کی تحریریں نہ صرف ایک عہد کی تاریخ بیان کرتی ہیں، بلکہ انسانی ضمیر پر دستک بھی دیتی ہیں ۶۔ سعادت حسن منٹو نے تقسیمِ ہند کے دوران پیش آنے والے فسادات کو نہ صرف محض تاریخی واقعہ سمجھا بلکہ اسے ایک گہرے انسانی المیے کے طور پر محسوس کیا اور اس کی شدت کو اپنے افسانوں کے ذریعے اجاگر کیا۔ ان کی تحریروں میں خون ریزی، بے گھر ہونے کا کرب، مذہبی جنون اور انسانی اقدار کی شکست و ریخت کو انتہائی مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ کھول دو، ٹوبہ ٹیک سنگھ، موذیل، سہائے، شریفین اور گورمکھ سنگھ کی وصیت، جیسے افسانے فسادات کے پس منظر میں لکھے گئے وہ شاہکار ہیں جو نہ صرف فنی لحاظ سے بلند مقام رکھتے ہیں بلکہ قاری کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ ان افسانوں میں منٹو نے کسی خاص طبقے یا قوم کی طرف داری کیے بغیر انسان کے دُکھ کو مرکزی حیثیت دی ہے اور یہی ان کے فن کی سب سے بڑی طاقت ہے ۷۔ منٹو کے افسانوی کمالات کا دائرہ محض تقسیمِ ہند تک محدود نہیں، بلکہ ان کے ہاں شہری زندگی، سماجی تضادات، جنسیات اور انسانی نفسیات کا گہرا مشاہدہ بھی نمایاں طور پر ملتا ہے۔ ان کے بعض افسانے نہ صرف ان کے فن کا عروج ہیں بلکہ اُردو افسانے کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''موذیل'' اور ''بابو گوپی ناتھ'' بمبئی کی شہری زندگی اور مذہبی و اخلاقی کشمکش کو نمایاں کرتے ہیں، جب کہ ''کالی شلوار'' چکلے کی زندگی اور طوائف کے وجود کو طنز و رمز کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ ''نیا قانون'' آزادی کے خواب اور نوآبادیاتی نظام کے تضاد کو اُجاگر کرتا ہے، جب کہ ''ٹوبہ ٹیک سنگھ'' اور ''کھول دو'' تقسیمِ ہند کے بعد کے المیے کی نمائندہ تحریریں ہیں۔ اسی طرح ''ٹھنڈا گوشت'' معاشرتی زوال، جنسی تشدد اور جذباتی انجماد کا ایک پُراثر بیانیہ ہے۔ یہ ساتوں افسانے منٹو کی تخلیقی وسعت، فنی پختگی اور جرأتِ اظہار کے اعلیٰ نمونے ہیں، جو انھیں اُردو اَدب کے صفِ اوّل کے افسانہ نگاروں میں شامل کرتے ہیں ۸۔ فسادات کے پس منظر میں محض مرد افسانہ نگار ہی سرگرم نہ تھے بلکہ خواتین افسانہ نگاروں نے بھی اس انسانی المیے کو نہایت حساس اور فنی انداز میں بیان کیا۔ عصمت چغتائی کا افسانہ ''جڑیں'' فسادات کی ہولناکی کو علامتی پیرائے میں پیش کرتا ہے اور اُردو اَدب میں اس موضوع پر لکھے گئے اہم افسانوں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح متعدد دیگر افسانہ نگاروں نے بھی اس عہد کے دُکھ، بربادی اور انسانی المیے کو اپنی تخلیقات میں سمیٹا۔ خواجہ احمد عباس کا ''میری موت''، سہیل عظیم آبادی کا ''اندھیارے میں ایک کرن''، احمد ندیم قاسمی کا ''پرمیشر سنگھ''، رامانند ساگر کا ''اور

انسان مر گیا''، جمیلہ ہاشمی کا ''بن باس''، راجندر سنگھ بیدی کا ''لاجونتی''، مرزا ریاض کا ''بوجھ''، ممتاز مفتی کا ''ثمینہ''، خدیجہ مستور کے دو اہم افسانے ''ٹامک ٹوئیے'' اور ''مینوں لے چلے بابلا لے چلے وے''، حیات اللہ انصاری کا ''شکر گزار آنکھیں''، مرزا حامد بیگ کا ''کاتک کا ادھار'' اور احمد عباس کا ''انتقام'' فسادات کے موضوع پر لکھے گئے وہ افسانے ہیں جو نہ صرف اپنے بیانیے کی شدت سے قاری کو جھنجھوڑ دیتے ہیں بلکہ فن اور حقیقت کے امتزاج کا درخشاں نمونہ بھی ہیں۔ یہ تمام افسانے مل کر تقسیم کے المیے کو ایک کثیر جہتی زاویے سے پیش کرتے ہیں، جن میں مذہب، ذات، سیاست، عورت، شناخت، پناہ، وطن اور انسانیت جیسے اہم موضوعات فنکارانہ مہارت کے ساتھ اُجاگر ہوتے ہیں۹۔ فسادات اور ہجرت کے المناک پس منظر نے اُردو افسانے کو نہ صرف ایک نئی معنویت دی بلکہ اس نے افسانہ نگاروں کو انسانی دُکھ، خوف، شکست، بربادی اور داخلی ٹوٹ پھوٹ کو فن کے قالب میں ڈھالنے کا موقع فراہم کیا۔ احمد ندیم قاسمی نے اس موضوع کو بارہا مختلف زاویوں سے اپنی تحریروں میں برتا ہے۔ ان کے افسانے چڑیل، فساد، میں انسان ہوں، تسکین، جب بادل اُمڈے اور اندمال، فسادات کے تناظر میں انسانی ضمیر کی کشمکش اور اخلاقی گراوٹ کو آشکار کرتے ہیں۔ اسی طرح احمد علی کا ''میں انسان ہوں'' اور ''قید خانہ'' بھی انسانیت کی تذلیل اور بکھرتے سماجی رشتوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ جب کہ ممتاز حسین کا ''سورج سنگھ'' فسادات کے پس منظر میں جبر و ظلم کے خلاف ایک علامتی احتجاج بن کر اُبھرتا ہے۔ شوکت صدیقی کے افسانے تانتیا، ہفتے کی شام اور اندھیرا، فسادات کے عہد کی خوفناک فضا، غیر یقینی حالات اور داخلی عدم تحفظ کو بے حد مؤثر انداز میں بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح اکمل علیمی کا ''شب گزیدہ سحر''، ہاجرہ مسرور کے افسانے ''بڑے انسان بنے بیٹھے ہو'' اور ''اُمتِ مرحوم ہجرت''، معاشرتی تبدیلیوں، عورت کی شناخت اور فسادات کے بعد کے وجودی بحران کو موضوع بناتے ہیں۔ یہ افسانے اُردو اَدب میں محض تاریخی دستاویز نہیں بلکہ انسانی شعور، ضمیر اور جذبے کی سچی نمائندگی ہیں، جو ایک عہد کی ٹوٹ پھوٹ کو صداقت اور فن کے امتزاج سے پیش کرتے ہیں ۱۰۔ تقسیم اور ہجرت کے المیے کو اُردو افسانے میں مختلف زاویوں سے بیان کیا گیا ہے، جن میں کئی اہم افسانہ نگاروں کی تخلیقات نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ شان الحق حقی کا افسانہ ''ننھی کا توتا'' ہجرت کے کرب کو ایک معصوم ذہن کے ذریعے ظاہر کرتا ہے، جب کہ اشفاق احمد نے ''گڈریا'' میں انسانی گم گشتگی کو علامتی انداز میں پیش کیا ہے۔ قدرت اللہ شہاب کا افسانہ ''یا خدا'' اس عہد کی بے بسی اور انسان کی روحانی پکار کو اُجاگر کرتا ہے۔ اوپندر ناتھ اشک کے افسانے ''گیانی'' اور ''چارہ کاٹنے کی مشین'' فسادات کے بعد پیدا ہونے والی ذہنی اور سماجی پیچیدگیوں کی عکاسی کرتے ہیں۔ شکیلہ اختر نے ''آخری سہارا'' اور ''ایک دن'' جیسے افسانوں میں ہجرت کے تناظر میں عورت کی داخلی ٹوٹ پھوٹ کو حساس پیرائے میں بیان کیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانے ''تسکین'' اور ''بادل اُمڈ آئے''، تقسیم کے بعد کے عدم تحفظ، خوف اور انسانی بے یقینی کو مؤثر طریقے سے سامنے لاتے ہیں۔ انتظار حسین کا ''بن لکھی رزمیہ'' ماضی کی شکستہ یادوں اور تہذیبی زوال کا نوحہ ہے، جب کہ پریم ناتھ در کا ''آخ تھو'' تقسیم کے دوران انسان کی اخلاقی پستی پر ایک تیز طنز بن کر اُبھرتا ہے۔ اسی طرح جاوید جعفری کا افسانہ ''جاگے پاک پروردگار'' اجتماعی ضمیر کی غفلت اور بیداری کی خواہش کا بیان ہے ۱۱۔ حالیہ برسوں میں فسادات اور تقسیمِ ہند کے پس منظر کو موضوع بنانے والی چند قابلِ ذکر کہانیاں منظرِ عام

پر آئیں، جن میں دیپک بدکی کا "کینچلی"، فرخ صابری کا "شاردا"، حسن منظر کا "مالِ غنیمت" اور طاہرہ اقبال کا "دیسوں میں" شامل ہیں۔ ان افسانوں میں ماضی کے زخموں کو نئے تناظر میں دریافت کرنے کی سنجیدہ کوشش کی گئی ہے ۱۲۔ ۱۹۴۹ء سے ۱۹۵۹ء کے درمیانی عرصے میں لکھے گئے اُردو افسانے نہ صرف فنی پختگی کا مظہر ہیں بلکہ ان میں معاشرتی اور سیاسی شعور کی گہری جھلک بھی نظر آتی ہے۔ اس دَور کے افسانہ نگاروں نے بدلتے ہوئے حالات، طبقاتی کشمکش اور انسانی بے بسی کو گہرے شعور کے ساتھ بیان کیا۔ کرشن چندر کا افسانہ "مہالکشمی کا پُل" اور شوکت صدیقی کا "ابو الہول کا سایہ" اسی باشعور بیانیے کی عمدہ مثالیں ہیں، جن میں زمانے کی سچائی اور انسان کی بے چارگی کا عکس ملتا ہے۔ اسی طرح معاشی استحصال، غربت اور محرومی کی شدت کو خواجہ احمد عباس کے افسانے "باقی کچھ نہیں" اور ہاجرہ مسرور کے "صندوقچے" میں نہایت اثر انگیز انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ان کہانیوں میں نہ صرف فرد کی جدوجہد کو دکھایا گیا ہے بلکہ ایک پورے عہد کی سماجی ساخت اور اس کے مسائل کا عکس بھی محفوظ ہے ۱۳۔ قیامِ پاکستان کے فوری بعد اُردو افسانے میں فسادات، ہجرت اور اس سے جڑے ہوئے سانحات ہی بنیادی موضوع بنے رہے۔ یہ وہ دَور تھا جب تخلیق کار اپنے آس پاس کے خونچکاں مناظر اور انسانی المیوں کو بیان کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے تھے۔ تاہم وقت کے ساتھ جب حالات میں کچھ ٹھہراؤ آیا تو افسانے کے موضوعات میں بھی تنوع پیدا ہونے لگا۔ اس نئے دَور میں ایک نمایاں رجحان ماضی کی طرف رجوع کا تھا۔ ماضی پرستی نے ادب میں اس لیے جگہ پائی کہ نئی مملکت میں وہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے جو برِّصغیر کے مسلمانوں نے قیامِ پاکستان سے قبل دیکھے تھے۔ نئی زندگی، نئی زمین اور نئے نظام نے جن وعدوں کو جنم دیا تھا، وہ جلد ہی ٹوٹنے لگے اور یوں اُردو افسانہ ایک بار پھر مایوسی، کرب اور شناخت کی تلاش کا بیانیہ بن گیا ۱۴۔ چند افسانہ نگاروں نے ہجرت کے بعد بھی اپنے دل و دماغ سے سرحد پار کی زمین، گلیاں، بازار اور پُرانے راستے محو نہیں کیے۔ انھوں نے ان یادوں اور مقامات کو محض ذاتی تجربات کے طور پر نہیں بلکہ اجتماعی حافظے کے طور پر محفوظ رکھنے کی سعی کی۔ ان افسانہ نگاروں میں انتظار حسین اور اے حمید کے نام نمایاں ہیں۔ خصوصاً انتظار حسین نے ماضی کی بازیافت کو نہ صرف اپنا مرکزی موضوع بنایا بلکہ اسے ایک فکری اور تخلیقی اسلوب میں ڈھالا۔ اگرچہ اُن کے ہاں تجرید، علامت اور تمثیل کا استعمال ہے، تاہم وہ ان تجربات میں خود کو گم نہیں ہونے دیتے۔ ان کے افسانوی مجموعے، گلی کوچے، کنکری، آخری آدمی اور شہر افسوس میں موجود بیشتر کہانیاں ماضی کی طرف ایک مسلسل ذہنی مراجعت اور تہذیبی جڑوں کی تلاش کا بیانیہ ہیں۔ یہ تحریریں نہ صرف بچھڑے ہوئے وقت کی تصویریں ہیں بلکہ شناخت اور وابستگی کے ان پہلوؤں کو بھی سامنے لاتی ہیں جو ہجرت کے بعد مسلسل سوال بنے رہے ۱۵۔ قرۃ العین حیدر کے افسانے بھی ماضی کی بازیافت، تہذیبی جڑوں کی تلاش اور ناسٹلجیا کے جذبات سے گہرا رشتہ رکھتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں ہجرت کا کرب، بے وطنی کا احساس اور یادوں کا بوجھ مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعے شیشے کے گھر میں شامل بیشتر افسانے اسی پس منظر کو پیش کرتے ہیں۔ افسانے برفباری سے پہلے، کیکٹس لینڈ اور جلاوطن میں ہجرت کے بعد کی زندگی، اجنبیت، شکستہ خوابوں اور ماضی کی سرزمین کے لیے شدید تڑپ کو نہایت حساس اور تہذیبی شعور کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قرۃ العین حیدر کے ہاں ماضی محض ایک یاد نہیں بلکہ ایک مکمل تہذیبی تجربہ ہے جسے وہ اپنے افسانوی بیانیے کا

حصّہ بناتی ہیں ۱۶۔ اختر جمال کا افسانہ ''اُنگلیاں فگار اپنی'' تقسیم کے المیے کو ذاتی اور خاندانی سطح پر محسوس کرنے کی ایک مؤثر کوشش ہے۔ یہ افسانہ بچھڑتے ہوئے رشتوں، ٹوٹتے ہوئے خاندانوں اور ہجرت کے زخموں کو نہایت ہمدردی اور گہرائی سے پیش کرتا ہے۔ تقسیم سے پہلے اُردو افسانے میں جن قلم کاروں نے اپنی انفرادی شناخت قائم کر لی تھی، ان میں غلام الثقلین نقوی، رحمٰن مذنب، غلام عباس، قرۃ العین حیدر، شوکت صدیقی، ممتاز مفتی اور شفیق الرحمٰن جیسے نام شامل ہیں۔ ان افسانہ نگاروں نے نہ صرف اپنے دَور کے سماجی، سیاسی اور تہذیبی مسائل کو موضوع بنایا بلکہ اپنے منفرد اسلوب اور فکری جہت کے ذریعے اُردو افسانے کو ایک مضبوط بنیاد فراہم کی ۱۷۔ پاکستان میں پہلا مارشل لا ۱۹۵۸ء میں نافذ ہوا، جب جنرل ایوب خان نے فیلڈ مارشل اور چیف ایڈ منسٹریٹر کی حیثیت سے اقتدار سنبھالا۔ اس دَور میں آزادیِ اظہار کو شدید پابندیوں کا سامنا رہا، جس کے نتیجے میں شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں کی تخلیقی آزادی سلب کر لی گئی۔ اگرچہ ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء کے دوران ملک میں سیاسی عدم استحکام اور سماجی انارکی کی فضا تھی اور ان مسائل کے سدِّباب کے لیے مارشل لا کو ایک ممکنہ حل کے طور پر پیش کیا گیا لیکن اس کے نفاذ سے حالات سنبھلنے کے بجائے مزید ابتری کا شکار ہو گئے۔ اسی سیاسی اور فکری جبر کے ماحول میں فیض احمد فیض اور احمد ندیم قاسمی جیسے باوقار ادیبوں اور شاعروں کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ یہ دَور اُردو اَدب کے لیے ایک ایسا مرحلہ ثابت ہوا جہاں تخلیق اور مزاحمت ایک ساتھ پروان چڑھنے لگے ۱۸۔

پاکستان میں تخلیقی ادب کو ہمیشہ ایک آزاد، جمہوری اور فکری طور پر سازگار ماحول میسّر نہیں آیا۔ یہی سبب ہے کہ ہماری ادبی روایت میں سیاسی شعور اور مزاحمتی رجحانات نمایاں رہے ہیں۔ ادیبوں اور شاعروں نے اکثر سیاسی جبر، سماجی ناہمواری اور اظہار کی بندشوں کے خلاف قلم اُٹھایا، جس کے باعث پاکستانی ادب میں تخلیق اور احتجاج کا باہمی تعلق ایک مستقل روایت کی صورت اختیار کر گیا ۱۹۔ ۱۹۵۸ء کے بعد مارشل لا کے ابتدائی جوش و خروش کی فضا جلد ہی ماند پڑنے لگی۔ تخلیقِ اظہار پر قدغنیں لگنا شروع ہو چکی تھیں اور ادیبوں، صحافیوں، نیز اخبارات کو ریاستی پالیسیوں کا تابع بنانے کی کوششیں تیز ہو گئیں۔ ایسے ماحول میں براہِ راست بیانیہ، حقیقت نگاری اور خارجی موضوعات پس منظر میں چلے گئے اور ان کی جگہ علامتی اسلوب، تہہ دار اظہار اور شناخت کے بحران جیسے موضوعات نے مرکزی حیثیت اختیار کر لی۔ یہ وہ دَور تھا جب ادب محض سیاسی یا سماجی عکاسی تک محدود نہیں رہا بلکہ باطنی کرب، فکری اُلجھنوں اور وجودی سوالات کی پیچیدگیوں کو بھی بیان کرنے لگا اور اس نے ایک نئے تخلیقی رجحان کو جنم دیا ۲۰۔

جب چھٹی دہائی میں اُردو افسانے میں علامت نگاری کا رجحان نمایاں ہوا تو اسے بعض ناقدین نے سماجی اور اشتراکی حقیقت نگاری کے خلاف ایک ردِّعمل کے طور پر دیکھا۔ یہ تصوّر اس خیال کو جنم دیتا ہے کہ گویا علامتی افسانہ اُردو افسانے کی ایک بالکل نئی صورت تھی، جو سابقہ حقیقت نگاری کی راکھ سے جنم لے کر اُبھرا۔ حالاں کہ حقیقت یہ ہے کہ علامتی افسانہ اپنی بنیاد میں تصوّرِ حقیقت سے انحراف نہیں کرتا۔ اس کا رشتہ بھی مادّی دنیا سے جڑا ہوا ہے اور وہ انسانی شعور کی رسائی میں آنے والی حقیقتوں کو محض ایک اور پیرائے میں بیان کرتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ براہِ راست دکھانے کے بجائے علامت، تمثیل اور تہہ دار استعاروں کے ذریعے حقیقت کو بے نقاب کرتا

ہے۔ یوں علامتی افسانہ، حقیقت نگاری کا انکار نہیں بلکہ اس کی ایک پیچیدہ اور جمالیاتی توسیع ہے ۲۱۔ علامتی افسانے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس نے صرف روایتی یا کلاسیکی مشرقی علامتوں کو جوں کا توں برتنے کے بجائے اُنھیں ایک تخلیقی اور فکری عمل سے گزارا۔ یہ علامتیں، جو قدیم تہذیبی، اساطیری اور ثقافتی متون سے اخذ کی گئی تھیں، محض روایت کے طور پر دہرانے کے لیے استعمال نہیں ہوئیں بلکہ ان کی نئی معنویت تشکیل دی گئی۔ علامتی افسانہ نگاروں نے ان روایتی عناصر کو جدید سیاق وسباق میں رکھ کر نہ صرف ان کی ساخت میں ردّ و بدل کیا بلکہ انھیں معاصر سیاسی، سماجی اور وجودی مسائل کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ پرانی کہانیوں، اساطیر اور قصّوں کے کچھ حصّے کبھی اصل ڈھانچے کے ساتھ محفوظ رکھے گئے اور کبھی اُن کی ساخت کو تبدیل کر دیا گیا، مگر عمومی طور پر ان کے روایتی آہنگ کو برقرار رکھتے ہوئے زبان، اسلوب، کردار اور علامت کو نئے معنی پہنانے کی کوشش کی گئی۔ یوں یہ علامتیں، نوآبادیات کے بعد کی دنیا میں درپیش مادّی زوال، اخلاقی ابتری، ریاستی جبر اور خوابوں کے ٹوٹنے جیسے تجربات کی ترجمان بن گئیں۔ علامتی افسانے نے ان موضوعات کو محض بیان کرنے کے بجائے اُن کے اندر چھپی پیچیدگیوں اور تہہ در تہہ معانی کو فنکارانہ سطح پر اُبھارا ۲۲۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ نے نہ صرف ملکی سیاست اور معاشرت پر اثر ڈالا بلکہ اُردو اَدب کی تخلیقی دنیا کو بھی متاثر کیا۔ اس جنگ کے تناظر میں ملی نغموں، شاعری، افسانوں اور ڈراموں کی ایک نئی لہر اُبھری، جس نے حبّ الوطنی کے جذبات کو ادبی اظہار میں ڈھال دیا۔ یہی وہ وقت تھا جب عوامی سطح پر پہلی بار قومی وحدت اور وطن سے جذباتی وابستگی کا بھرپور شعور پیدا ہوا، اور اس کا عکس اُردو اَدب میں واضح طور پر نظر آیا۔ اس دَور میں متعدد افسانہ نگاروں نے جنگ کے پس منظر کو موضوع بناتے ہوئے ایسے افسانے تخلیق کیے جو نہ صرف جذباتی وابستگی کا اظہار تھے بلکہ ایک فکری موقف بھی رکھتے تھے۔ ان میں غلام الثقلین نقوی، احمد ندیم قاسمی، عفرا بخاری، فرخندہ لودھی، مسعود مفتی اور صادق حسین جیسے نمایاں نام شامل ہیں۔ مسعود مفتی کا افسانوی مجموعہ رگِ سنگ اور غلام الثقلین نقوی کا مجموعہ نغمہ و آگ مکمل طور پر ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر کو بیان کرنے والی تحریروں پر مشتمل ہیں، جو اس دَور کی قومی فضا اور انفرادی تجربات کا نہایت موئثر عکس پیش کرتے ہیں ۲۳۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ نے اُردو افسانے کو نہ صرف ایک نیا تناظر عطا کیا بلکہ اس دَور میں تخلیق ہونے والے ادب کو ایک مخصوص ''رزمیہ'' رنگ بھی دیا، جیسا کہ آغا بابر نے اسے بجا طور پر ''رزمیہ ادب'' کا نام دیا ہے۔ اس دَور میں متعدد افسانہ نگاروں نے جنگ کے اثرات، انسانی جذبات، قومی شعور اور نفسیاتی ردِّ عمل کو کہانی کی صورت میں ڈھالا۔ غلام الثقلین نقوی نے اس پس منظر میں کافوری شمع، ڈیک کے کنارے، سبز پوش اور جلی مٹی کی خوشبو جیسے افسانے قلم بند کیے، جن میں نہ صرف جنگی حالات کی عکاسی ملتی ہے بلکہ داخلی کیفیات اور عوامی ردعمل بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ اسی طرح دیگر ممتاز افسانہ نگاروں کی تخلیقات بھی اس موضوع کی نمائندگی کرتی ہیں، مثلاً: احمد شریف، رنگوں کا ڈبہ، صادق حسین، انسان، فرخندہ لودھی، پاربتی، احمد ندیم قاسمی، کپاس کا پھول، اختر جمال، مئے تلخیٔ ایّام، رضیہ فصیح احمد، خندق کا پودا، انتظار حسین، سیکنڈ راؤنڈ، عفرا بخاری ، کروٹ، خدیجہ مستور، ٹھنڈا میٹھا پانی، یہ تمام افسانے اپنے اپنے انداز میں جنگ کے سماجی، نفسیاتی اور اخلاقی پہلوؤں کو اُجاگر کرتے ہیں اور یوں ۱۹۶۵ء کی جنگ کا ادبی بیانیہ تشکیل دیتے ہیں ۲۴۔

۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں اُردو میں ڈائری اور رپور تاژ بھی لکھے گئے۔ ''کوئی ستارہ نہیں اُبھر تا''منظور الٰہی کا رپور تاژ ہے جو ۱۹۶۵ء کی جنگ کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ مسعود مفتی کی کتاب ''رگ سنگ''میں جنگ ستمبر سے وابستہ افسانے ادبی رنگ میں موجود ہیں۔ سترہ دنوں کی جنگ کی داستان اُردو افسانے میں محفوظ ہو گئی ہے ۲۵۔ برّصغیر کے باشندوں کو ہجرت کا پہلا تجربہ تو ہرش وردھن کی موت کے بعد ہوا۔ دوسرا بہادر شاہ ظفر کے زوال کے بعد، تیسرا برّصغیر کی تقسیم کے بعد اور چوتھا تجربہ مشرقی پاکستان کے انقطاع کی صورت میں ہوا ۲۶۔ مشرقی پاکستان کے المیے سے اُردو افسانے میں ہجرت کا موضوع ایک دفعہ پھر تازہ ہو گیا وہ لوگ جو ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے ہجرت کر کے مشرقی پاکستان پہنچے تھے انھیں ایک بار پھر خون کے دریا کو عبور کر کے مغربی پاکستان آنا پڑا ۲۷۔ سقوطِ مشرقی پاکستان نے اُردو افسانے پر گہرے اثرات مرتب کیے اور اس سانحے سے متاثر ہو کر اُردو میں کئی لافانی افسانے لکھے گئے تھے ۲۸۔ برّصغیر کے باشندوں کو اجتماعی سطح پر ہجرت کے تلخ تجربات متعدد ادوار میں پیش آئے۔ پہلا بڑا صدمہ ہرش وردھن کی وفات کے بعد ریاستی انتشار کی صورت میں سامنے آیا، جب امن و استحکام کا قائم شدہ نظام بکھر گیا اور لوگوں کو نقل مکانی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسرا مرحلہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد بہادر شاہ ظفر کی معزولی کے ساتھ شروع ہوا، جس نے نہ صرف مغلیہ سلطنت کا خاتمہ کیا بلکہ مسلم معاشرے کو شدید سیاسی، معاشی اور تہذیبی زوال سے دوچار کر دیا۔ تیسرا اور سب سے ہولناک تجربہ ۱۹۴۷ء کی تقسیمِ ہند کے وقت سامنے آیا، جب لاکھوں افراد کو اپنی سرزمین، گھر، رشتے اور پہچان چھوڑ کر ایک نئی شناخت کے ساتھ جینا پڑا۔ چوتھا زخم ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے نتیجے میں لگا، جب ایک مرتبہ پھر بے شمار خاندان بے گھری، جلاوطنی اور تشخص کے بحران کا شکار ہوئے۔ یہ تمام مراحل برّصغیر کی تاریخ میں نہ صرف سیاسی موڑ تھے، بلکہ ان کے اثرات نے اُردو اَدب کو بھی گہرے موضوعات عطا کیے، جن میں ہجرت، شناخت، جدائی، وطن اور یاد جیسے پہلو مرکزی رہے ۲۹۔

۱۹۷۱ء سقوطِ مشرقی پاکستان سے پہلے بھی اُردو افسانے میں ایسے رجحانات موجود تھے جو مشرقی پاکستان کے سماجی، سیاسی اور معاشی زوال کی نشان دہی کرتے تھے۔ آغا سہیل کے افسانے ''پرچم'' اور غلام محمد کا افسانہ ''ایک سہاہوا شخص'' اس زوال پذیر صورتِ حال کی واضح تصویریں پیش کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ محی الدین نواب، مسعود اشعر، زین الدین اور دیگر افسانہ نگاروں نے بھی اپنے افسانوں میں اس معاشرتی انحطاط اور بڑھتی ہوئی بے یقینی کو موضوع بنایا۔ سقوطِ ڈھاکا کے بعد اُردو افسانے میں اس سانحے کے اثرات اور قومی المیے کی بازگشت مزید گہری اور نمایاں ہو گئی۔ ابراہیم جلیس کا افسانوی مجموعہ ''اُلٹی قبر'' اسی پس منظر میں سامنے آیا، جس میں نو افسانے شامل ہیں۔ ''اُلٹی قبر'' افسانہ ایک بنگالی نوجوان نذرل کی کہانی کو بیان کرتا ہے، جو ہجرت اور آبادکاری کے مسائل کا شکار ہے۔ یہ افسانہ نہ صرف شخصی المیے کو بیان کرتا ہے بلکہ اس کے ذریعے نئے جغرافیائی، سیاسی اور تہذیبی سیاق میں ہونے والی ناانصافیوں کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے ۳۰۔ سقوطِ مشرقی پاکستان اُردو افسانے میں ایک ایسا موڑ ثابت ہوا جس نے تخلیق کاروں کو نئے موضوعات، زاویوں اور داخلی کرب

کے اظہار کا موقع فراہم کیا۔ اس سانحے کے اثرات صرف سیاسی یا قومی سطح پر محسوس نہیں کیے گئے بلکہ انفرادی وجود، شناخت، تعلق، وطن اور انسانیت جیسے بنیادی سوالات بھی شدت سے اُبھر کر افسانے کا حصّہ بنے۔ متعدد افسانہ نگاروں نے اس المیے کو براہِ راست یا بالواسطہ طور پر موضوع بنایااور اس کے مختلف پہلوؤں کو اپنی تحریروں میں سمیٹا۔ رضیہ فصیح احمد (پل، ورثہ)، انور عنایت اللہ (ستم در ستم)، انتظار حسین (شہر افسوس، اندھی گلی، وہ جو کھوئے گئے، ہندوستان سے ایک خط، اسیر، نیند، دیوار) اور اے حمید (اب جاگتے رہنا ہے) جیسے افسانہ نگاروں نے یاد، المیہ اور شکست کی کیفیات کو فکری گہرائی کے ساتھ پیش کیا۔ اسی طرح اختر جمال (دوسری ہجرت، پرانی جڑیں، زرد پتوں کا بن، پس دیوار زنداں) اور مسعود اشعر (دُکھ جو مٹّی نے دیے، اپنی اپنی سچائیاں، آنکھوں پر دونوں ہاتھ) نے تقسیمِ وطن کے بعد ہونے والی دوسری ہجرت، اجنبیت، اور سچ کے تذبذب کو موضوع بنایا۔ ڈاکٹر سلیم اختر، مسعود مفتی، آغا سہیل، شہزاد منظر، امراؤ طارق، فرخندہ لودھی، غلام محمد، احمد زین الدین، رشید امجد، اُمّ عمارہ، مشرف احمد، علی حیدر ملک، اے خیام، شہناز پروین، طارق محمود، جمیل عثمان، آصف فرخی، قیصر قصریٰ، احمد سعدی، س۔م ساجد، اور قمر عبداللہ جیسے درجنوں ادیبوں نے اس سانحے کے بعد جنم لینے والے سوالات، مسائل اور جذباتی کیفیات کو افسانوی قالب میں ڈھالا۔ یہ تمام افسانے سقوطِ ڈھاکہ کے بعد کی صورتِ حال، وطن سے وابستگی، شناخت کے زوال، بے گھری، سیاسی جبر، نفسیاتی عدم توازن اور خوابوں کی شکست وریخت جیسے پہلوؤں کو موضوع بناتے ہیں۔ اُردو افسانے میں یہ دَور نہ صرف تخلیقی طور پر بھرپور تھا بلکہ اس نے ادب کو ایک نئے فکری اور انسانی دائرے میں داخل کیا[۳۱]۔ ایوب خان کے طویل اقتدار کے خلاف پیدا ہونے والی عوامی بے چینی، ۱۹۶۵ء کی جنگ کے غیر متوقع اور مایوس کن نتائج، مشرقی پاکستان کے خونچکاں سانحے، ۱۹۷۱ء کی فوجی شکست، ذوالفقار علی بھٹو کی عدالتی پھانسی اور ضیاء الحق کی آمریت کے دَور میں پنپتی سیاسی گھٹن نے پاکستانی معاشرے میں ایک ہمہ گیر بے اعتمادی کو جنم دیا۔ ایسے ماحول میں افراد خوابوں اور خوش فہمیوں سے نکل کر شکست وریخت کا شکار ہو گئے۔ عوامی فضا میں خوف، بدگمانی، بے یقینی اور انتشار کا سایہ گہرا ہوتا چلا گیا۔ اُردو افسانہ اس تمام سیاسی وسماجی پس منظر کا آئینہ بن کر اُبھرا۔ چہرے ماند پڑ گئے، شناختیں دُھندلا گئیں اور زبان میں براہِ راست اظہار کی جگہ علامتوں، استعاروں اور مزاحمت کے رمز نے لے لی۔ افسانہ نگاروں نے سیاسی جبر، سماجی ناہمواری اور انفرادی بے بسی کو نہ صرف محسوس کیا بلکہ اسے ادبی اسلوب میں ڈھال کر اُردو افسانے کی روایت کو مزید بامعنی اور فکر انگیز بنا دیا[۳۲]۔

انتظار حسین نے بیسویں صدی کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی زوال کو علامتی اور استعارتی انداز میں بیان کرتے ہوئے اُردو افسانے کو ایک نئی فکری گہرائی اور تہہ داری سے آشنا کیا۔ ان کے مزاحمتی افسانے براہِ راست سیاسی احتجاج یا نعرہ بازی نہیں کرتے، بلکہ تاریخی تمثیل، تہذیبی یادداشت، اساطیر، مذہبی علامات اور انسانی ضمیر کی پیچیدگیوں کے ذریعے ایک ایسی معنویت پیدا کرتے ہیں جو قاری کو موجودہ حالات پر سوچنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ درجِ ذیل افسانے ان کے علامتی اور مزاحمتی ادب کا نمائندہ سرمایہ سمجھے جاتے ہیں: وہ جو کھوئے گئے، کٹا ہوا ڈبّا، دہلیز، سیڑھیاں، مردہ راکھ، مشکوک لوگ، شرم الحرم، کانا دجال، بگڑی گھڑی، دوسرا گناہ، دوسرا راستہ، اپنی آگ

کی طرف، وہ جو دیوار کو نہ چاٹ سکے، اندھی گلی، شہر افسوس۔ ان افسانوں میں تہذیب کا زوال، اجنبیت، ہجرت، داخلی شکست، معاشرتی زبوں حالی اور اقتدار کے سائے میں جبر کی فضا گہرے علامتی پیرائے میں سامنے آتی ہے۔ ان کے ہاں "شہر" صرف ایک جغرافیائی وحدت نہیں بلکہ ایک زوال آمادہ معاشرہ بن کر اُبھرتا ہے اور "اندھی گلی" صرف راستے کی بندش نہیں بلکہ فکری جمود اور اجتماعی بے بسی کی علامت ہے۔ انتظار حسین کا علامتی اسلوب دراصل ایک خاموش مگر گہری مزاحمت ہے جو "پہچان" کو محفوظ رکھنے اور "فراموشی" کے خلاف لڑنے کی کوشش ہے ۳۳۔ مسعود اشعر ۱۹۷۰ء کی دہائی میں نمایاں ہونے والے اہم افسانہ نگار ہیں۔ صحافت سے وابستہ رہتے ہوئے انہوں نے حق گوئی کو اپنا شعار بنایا۔ ان کے چار افسانوی مجموعے "آنکھوں پر دونوں ہاتھ"، "سارے افسانے"، "اپنا گھر" اور "سوال کہانی" شائع ہوئے۔ ان کے افسانوں میں سقوطِ مشرقی پاکستان، ضیاء الحق کے دَور کی گھٹن اور سیاسی جبر کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ خصوصاً "خاموشی" کے عنوان سے لکھے گئے تین افسانے ضیائی آمریت کے ماحول اور اظہار پر پابندیوں کی علامت ہیں، جہاں خاموشی خود ایک احتجاج بن جاتی ہے ۳۴۔ علامتی افسانہ نگاری میں رشید امجد کا نام بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ انھوں نے انسان، معاشرہ، معاشیات، نفسیات، مارشل لا، صنعتی تہذیب کی بے حسی، داخلی قرب اور سیاسی جبر کے حوالے سے افسانے تحریر کیے۔ ان کے افسانوں کے بارہ مجموعے شائع ہوئے: بیزار آدم کے بیٹے (۱۹۷۴ء)، ریت پر گرفت (۱۹۷۴ء)، سہ پہر کی خزاں (۱۹۸۰ء)، پت جھڑ میں خود کلامی (۱۹۸۴ء)، بھاگے ہے بیاباں مجھ سے (۱۹۸۸ء)، کاغذ کی فصیل (۱۹۹۳ء)، عکس بے خیال (۱۹۹۳ء)، دست خواب (۱۹۹۳ء)، ست رنگے پرندے کے تعاقب میں (۲۰۰۲ء)، ایک عام آدمی کے خواب (۲۰۰۶ء)، صحرا کہیں جسے (۲۰۱۲ء)۳۵۔ بیزار آدم کے بیٹے، پانی کی بارش، منجمد اندھیرے میں روشنی کی ایک دراڑ، گملے میں اگا شہر، کوڑا گھر میں تازہ ہوا کی خواہش یہ رشید امجد کے وہ افسانے ہیں جو ضیاء الحق کے دَور میں تحریر کیے گئے ۳۶۔

منشا یاد نے ابتدائی کہانیاں روایتی اسلوب میں لکھیں مگر عصری تبدیلیوں کو نظر انداز نہیں کیا۔ علامتی، تجریدی اور نیم علامتی کہانیاں لکھنے کے باوجود انھوں نے کہانی سے پہلو تہی نہیں کی۔ ان کے مندرجہ ذیل افسانوں کے مجموعے منظرِ عام پر آئے: بند مٹھی میں جگنو (۱۹۷۵ء)، ماس اور مٹی (۱۹۸۰ء)، خلا اندر خلا (۱۹۸۳ء)، وقت سمندر (۱۹۸۶ء)، وگدا پانی (۱۹۸۷ء)، درخت آدمی (۱۹۹۰ء)، دور کی آواز (۱۹۹۴ء)، تماشا (۱۹۹۸ء)، خواب سرائے (۲۰۰۵ء)۔ منشا یاد کے افسانوں میں تماشا، بوکا، شبِ چراغ، اپنا اپنا کاگ، ضیاء الحق کے دَور میں پروان چڑھنے والی ریاکاری کی عکاسی کرتے ہیں ۳۷۔ مرزا حامد بیگ کے افسانوں میں بھی علامت اور حقیقت کا امتزاج موجود ہے۔ ان کے افسانوں کے مندرجہ ذیل مجموعے منظرِ عام پر آئے: گمشدہ کلمات (۱۹۸۱ء)، تار پر چلنے والی (۱۹۸۳ء)، قصّہ کہانی (۱۹۸۴ء)، گناہ کی مزدوری (۱۹۹۱ء)، جانکی بائی کی عرضی (۲۰۱۱ء)۔ ان کے افسانوں میں رہائی، مشکی گھوڑوں والی بگھی کا پھیرا، تربیت کا پہلا دن، مارشل لا کے دَور میں لکھے گئے افسانے ہیں، جن میں مارشل لا کے عوامل کو علامتی انداز میں بیان کیا گیا ہے ۳۸۔ انور سجاد جدید اُردو افسانے کا ایک معتبر نام ہیں اور اپنے علامتی افسانوں کی وجہ سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے افسانوں کے مندرجہ ذیل مجموعے منظرعام پر آئے: پہلی

کہانیاں، رگ سنگ، چوراہا، استعارے، ان کے افسانے، رات کا سفر نامہ، ماں اور بیٹا۔ یہ تمام افسانے جبر کے تناظر میں لکھے گئے ہیں ۳۹۔ انوار احمد کی کہانیاں بھی عصری آشوب کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے ایک ہی کہانی، پہلے سے سنی ہوئی کہانی، آخری خط کے نام سے منظرِ عام پر آئے۔ ان کا افسانہ محب وطن بچہ، کمال بستی، جڑا چوک، سیاسی قیدیوں پر تشدّد کی داستان ہیں ۴۰۔ احمد داؤد کے افسانوں میں مارشل لا کے جبر اور شدتوں کے خلاف واضح احتجاج موجود ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعے مفتوح ہوائیں، دشمن دار آدمی، خواب فروش کے نام سے منظرِعام پر آئے۔ ان کے افسانوں میں گاؤں، پرندے کا گوشت اور وہسکی، شہید، جواں مرگ کا نوحہ، خواب فروش، نامہ بر، جبر کے موضوع پر لکھے گئے افسانے ہیں ۴۱۔

احمد جاوید کے افسانوں کا پہلا مجموعہ غیر علامتی کہانی (۱۹۸۳ء) میں شائع ہوا۔ اس میں ۱۹۷۷ء کے بعد کے افسانے ہیں۔ اس کتاب پر حبس، گھٹن، خوف، مایوسی کے اثرات نظر آتے ہیں۔ چڑیا گھر میں رفیق حسین کی طرح مختلف جانوروں کا تذکرہ موجود ہے۔ باہر والی آنکھ اور سن تو سہی میں اس دَور کا جبر نظر آتا ہے ۴۲۔ مظہر الاسلام اُردو کے معروف افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے بھی سیاسی جبر و استیصال کے خلاف کہانیاں لکھیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے باتوں کی بارش میں بھیگتی لڑکی، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، گڑیا کی آنکھ سے شہر کو دیکھو، کے نام سے منظرِ عام پر آئے۔ ان کے افسانوں میں متروک آدمی، سانپ گھر، پنجرے میں پالی ہوئی بات، گھوڑوں کے شہر میں اکیلا آدمی، کندھے پر کبوتر، بارہ ماہ، میں علامتی انداز میں مارشل لا کے جبر و گھٹن کی عکاسی کی گئی ہے ۴۳۔ ہاجرہ مسرور کا افسانوی منظر نامہ سماجی ناہمواریوں، سیاسی جبر، قانونی و معاشی استحصال اور خصوصاً عورت کی مظلومیت کے گرد تشکیل پاتا ہے۔ ان کے افسانے نہ صرف معاشرے کی تلخ حقیقتوں کو بے نقاب کرتے ہیں بلکہ عورت کی خاموش اذیت کو زبان دیتے ہیں۔ ان کے نمایاں افسانوی مجموعوں میں ہائے اللہ، چھپے چوری، اندھیرے اُجالے، تیسری منزل، چاند کے دوسری طرف، وہ لوگ اور چرکے شامل ہیں۔ افسانہ ''ایک نعرہ'' ان کے مزاحمتی رویے کی علامت ہے، جو جبر و استبداد کے خلاف ایک پکار بن کر اُبھرتا ہے ۴۴۔ اختر جمال اُردو کی معروف افسانہ نگار ہیں۔ ان کے افسانوں کے مندرجہ ذیل مجموعے منظرِعام پر آئے: پھول اور بارود، اُنگلیاں فگار اپنی، زرد پتوں کا بن، سمجھوتہ ایکسپریس، خلائی دَور کی محبت۔ ان کا افسانہ ''سالگرہ کا کیک'' اور ''سمجھوتہ ایکسپریس'' سیاسی جبر کے عکاس ہیں ۴۵۔

افضل توصیف (پچیسواں گھنٹہ)، اکرام اللہ (سیاہ آسمان)، انور سن رائے (مہم)، سعیدہ گزدر (کوئل اور جرنل)، فرخندہ لودھی (گندی مچھلی)، فریدہ حفیظ (رب نہ کرے)، مستنصر حسین تارڑ (آکٹوپس)، منصور قیصر (شاہ دولے کے چوہے، ایک بانسری ہزار نیرو)، ندیم واحد صدیقی (گرم کرسی)، جاوید اختر بھٹی (مگر تم زندہ رہنا)، انور سجاد (رات کا سفر نامہ)، نجم الحسن رضوی (ہانکا)، ذکاء الرحمٰن (گھروں سے نکلنے پر پابندی ہے) یہ تمام مارشل لا کے پس منظر میں لکھے گئے افسانے ہیں ۴۶۔ زاہدہ حنا ایک سنجیدہ فکر افسانہ نگار ہیں جنھوں نے تاریخ اور جنگ کے مہلک اثرات کو اپنی کہانیوں میں موثر انداز میں پیش کیا۔ ان کے نمایاں افسانوی مجموعے قیدی سانس لیتا ہے، راہ میں اجل ہے، تتلیاں ڈھونڈنے والی اور رقصِ بسمل ہیں۔ افسانے تتلیاں ڈھونڈنے والی اور بود و نابود کا آشوب ریاستی جبر اور ظلم کے خلاف

علامتی احتجاج کا موثر اظہار ہیں ۴۷۔ علی حیدر ملک کے افسانوی مجموعے بے زمین آسمان میں شامل بیشتر کہانیاں مارشل لا کے دَور کے جبر اور عوامی اذیت کی عکاسی کرتی ہیں۔ جھوٹے سچے خواب، تیسری آنکھ، سولی پر لٹکی ہوئی آواز جیسے افسانے ظلم کے خلاف عوامی آواز ہیں، جب کہ اندر کا جہنم ایک گہرا علامتی افسانہ ہے ۴۸۔ سلیم اختر نے ضیاء الحق کے آمریت زدہ دَور میں جبر و گھٹن کو موضوع بنا کر افسانے تخلیق کیے۔ ان کے مجموعے نرگس اور کیکٹس، کڑوے بادام، آدھی رات کی مخلوق، مٹھی بھر سانپ، کاٹھ کی عورتیں اور چالیس منٹ کی عورت، کے عنوان سے شائع ہوئے ۴۹۔ یہ دَور اسلوب، تکنیک اور بیان کے تجربات کا زمانہ تھا، جسے اُردو افسانے کا عہدِ زرّیں بھی کہا جاسکتا ہے ۵۰۔ اپریل ۱۹۷۹ء میں بھٹو کی پھانسی اور آمریت کے آغاز نے ادیبوں کو اظہارِ مزاحمت پر آمادہ کیا۔ انور زاہدی کے افسانوں کے مجموعے عذاب شہر پناہ، موسم جنگ کی کہانی محبت کی، مندر والی گلی اور بائیسکوپ دن شائع ہوئے، جب کہ ان کا افسانہ دوسرے سیزر کی موت بھٹو کی پھانسی کو علامتی انداز میں پیش کرتا ہے (۵۱)۔ محمود اختر کا افسانہ ''نوحہ'' بھٹو کی پھانسی کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ یوسف عزیز زاہدی کا افسانہ ''ادھوری پہچان'' بھی اسی دَور کی عکاسی کرتا ہے۔ اپریل ۱۹۷۹ء میں بھٹو کی پھانسی اور آمریت کے آغاز نے ادیبوں کو اظہارِ مزاحمت پر آمادہ کیا۔ انور زاہدی کے افسانوں کے مجموعے عذاب شہر پناہ، موسم جنگ کی کہانی محبت کی، مندر والی گلی اور بائیسکوپ دن شائع ہوئے، جب کہ ان کا افسانہ دوسرے سیزر کی موت بھٹو کی پھانسی کو علامتی انداز میں پیش کرتا ہے ۵۱۔ محمود اختر کا افسانہ ''نوحہ'' بھٹو کی پھانسی کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ یوسف عزیز زاہدی کا افسانہ ''ادھوری پہچان'' بھی اسی دَور کی عکاسی کرتا ہے ۵۲۔ یوسف عزیز زاہدی کا افسانہ ''ادھوری پہچان'' بھی اسی دَور کی عکاسی کرتا ہے۔ یونس جاوید (دستک)، ستار طاہر (مردہ بھٹو زندہ بھٹو)، انتظار حسین (کشتی)، انور سجاد (ماں اور بیٹا)، فہمیدہ ریاض (عورت اور چیتا)، مسعود اشعر (ایک بڑی کہانی کے لیے ورک نوٹس)، مستنصر حسین تارڑ (درخت)، اکرام اللہ (سیاہ آسمان)، محمد منشا یاد (رُکی ہوئی آوازیں)، مظہر الاسلام (اناللہ وانا الیہ راجعون)، احمد داؤد (عجائب گھر) یہ سبھی افسانے بھٹو کی پھانسی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں ۵۳۔ اُردو افسانے میں ضیاء الحق کے دَور میں لگائی جانے والی پابندیوں، جبر اور گھٹن کی تفصیل علامتی انداز میں بھرپور طریقے سے موجود ہے۔ اُردو افسانے میں موضوعاتی تنوع کے حوالے سے دیکھا جائے تو شہر کراچی کے پس منظر میں بھی بہت سے افسانے لکھے گئے۔ اس حوالے سے مشہور ادیب شوکت صدیقی کو کسی بھی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے افسانے طبقاتی کشمکش اور جرائم اور قیامِ پاکستان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ ان کے افسانوں کا مجموعہ تیسرا آدمی ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا ۵۴۔ قرۃ العین حیدر نے تقسیمِ ہند کے بعد کراچی کے بنتے بگڑتے معاشرے کی تصویر کشی اپنے طویل افسانے یا ناولٹ ہاؤسنگ سوسائٹی میں کی ہے ۵۵۔ حسن منظر نے اپنے افسانے ۲۵ شمالی ۶۷ مشرقی میں ۱۹۴۷ء کے بعد سندھ میں لسانی فسادات، کراچی اور اس کی مضافاتی بستی ماری پور کا احوال قلم بند کیا ہے ۵۶۔ اسد محمد خان نے کراچی کے لاپتا افراد، خصوصاً بلوچوں کے مسئلے کو افسانے کا موضوع بنایا۔ ان کا افسانہ طوفان کے مرکز میں شہر کی سیاسی و سماجی حقیقتوں کی عکاسی کرتا ہے۔ ان کے افسانوں کے مجموعوں میں کھڑکی بھر آسمان، برجِ خموشاں، غصّے کی نئی فصل، نربدا اور دوسری کہانیاں، جو کہانیاں

لکھیں، تیسرے پہر کی کہانیاں، ایک ٹکڑا دُھوپ کا شامل ہیں۵۷۔ فہمیدہ ریاض نے اپنے افسانے کراچی میں مہاجروں کا درد، سندھیوں اور مہاجروں کے درمیان لسانی ثقافت اور سیاسی کرپشن کو بھرپور طریقے سے پیش کیا ہے۔ ان کی کہانیوں کا مجموعہ خط مرموز کے نام سے منظر عام پر آیا۵۸۔ زاہدہ حنا کا افسانہ آخری بوند کی خوشبو سکھر کے ایک سرکاری اسکول کے استاد کی کہانی ہے جو بچوں کو درست تاریخ پڑھانے کے جرم میں برطرف کر دیا جاتا ہے۔ معدوم ابن معدوم اور بہر سو رقصِ بسمل بھی سندھ اور کراچی کے پس منظر میں لکھی گئی کہانیاں ہیں۵۹۔ کراچی کے تناظر میں لکھے گئے افسانوں کے حوالے سے آصف فرّخی اُردو افسانے کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ ان کے افسانوں کے مجموعے شہر بیتی اور شہر ماجرا کراچی کے کرفیو، زخمیوں، ڈاکوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔ کراچی کے افسانہ نگاروں میں مبین مرزا بھی ایک اہم حوالہ ہیں۔ مبین مرزا کے افسانوں سے ہم کراچی میں موجود ایک نادیدہ طاقت کے حکم پر ہونے والے کارناموں سے متعارف ہوتے ہیں۔ ان کے افسانے دامِ وحشت، بے خواب پلکوں پہ ٹھہری رات خاص کراچی کی سیاسی اور سماجی صورتِ حال کی عکاسی کرتے ہیں۶۰۔ نعیم آروی نے کراچی کی سیاسی اور دہشت گردی کی فضا کو علامتی انداز میں افسانوں میں پیش کیا جن میں بندی گھر، شب گزیدہ، مٹی، روزن شامل ہیں۔ احمد ہمیش نے سندھ کے عدم استحکام کو موضوع بنایا، ان کے افسانے بش اینڈ پل، نورین بیٹی ڈرنا نہیں، ہیں خواب میں ہنوز اس تناظر کی نمائندگی کرتے ہیں۶۱۔ اے خیام کا افسانہ برزخ، پچیسواں گھنٹہ، ہاجرہ مسرور کا افسانہ اسٹینڈرڈ بھی کراچی جیسے کاسموپولیٹن شہر کی سرگزشت ہے۔ سلطان جمیل کے افسانوں کے مجموعے ایک شام کا قصّہ کے تمام افسانے سندھ اور بالخصوص کراچی کے تناظر میں لکھے گئے ہیں۔ امراؤ طارق کے افسانے کرفیو کی رات، ماورائے عدالت، کورے کاغذ پر لکیریں، آخری موت سندھ اور کراچی کے وحشت بھرے موسموں کی داستان ہیں۶۲۔ کراچی کے افسانہ نگاروں کے یہاں سندھ اور کراچی کے ناسازگار حالات کا ذکر موجود ہے، جب کہ دیگر علاقوں سے تعلق رکھنے والے اکثر ادیب اس موضوع سے صرف نظر کرتے ہیں۔ البتہ مرزا حامد بیگ کا افسانہ مٹی کا رنگ میں اس کی عکاسی موجود ہے۔ منشایاد کے افسانے سارا سفر افسوس کا ہے میں کراچی شہر کے خوف اور جبر کی گھٹن کی عکاسی منشایاد نے بہت خوبی سے کی ہے۔ ناصر بغدادی کی کہانی شناخت اس کراچی کی بازیافت ہے جب زندگی اپنی تمامتر لطافتوں کے ساتھ کراچی میں ہنستی مسکراتی تھی۶۳۔ فہیم اعظمی کے افسانے پھر کیا ہوا، حصار، ارتمس نگر کے پھول، انوار احمد زئی کے افسانے شناخت، گواہی کا دن، آنکھ سمندر، نجم الحسن رضوی کے افسانے سادھیو بیلہ میں اجنبی، آدمی دریا، مردہ گھر، زمانے کی قسم، ڈاکٹر شیر شاہ سیّد کے افسانے ایک موت دو شہر، شہر برباد کی دھول، دل کی وہی تنہائی، اور ناصر بغدادی کا افسانہ شناخت کراچی کے پس منظر میں لکھے گئے عمدہ افسانے ہیں۔ فسادات کے بعد سب سے زیادہ افسانے سندھ اور کراچی کے مسئلے پر لکھے گئے ہیں۔ کراچی میں ادیبوں اور شاعروں کی بڑی تعداد سکونت پذیر تھی اور انھوں نے اس موضوع پر کھل کر لکھا۔ اس مسئلے پر لکھنے پر کوئی پابندی نہیں تھی۶۴۔ اُردو افسانے میں کئی افسانے ایٹم بم اور اس کی تباہ کاری کے حوالے سے بھی لکھے گئے۔ ایٹم بم اور اس کی تباہ کاری کا ذکر اُردو اَدب میں دوسری جنگِ عظیم کے بعد ہونے لگا۶۵۔ احمد ندیم قاسمی (ہیروشیما سے پہلے، ہیروشیما کے بعد)، ابن سعید (ہیروشیما)، کرشن چندر (ہوا کے بیٹے)، غلام عباس (دھنک)، حجاب امتیاز علی

(پاگل خانہ)، حسن منظر (زمین کا نوحہ)، زاہدہ حنا (تنہائی کے مکان میں)، محمود واجد (امن کے ہاتھ)، فہیم اعظمی (شایان) یہ سب ہیروشیما ناگاساکی کے پس منظر میں لکھے گئے افسانے ہیں۶۶۔

پوکھران اور چاغی میں کیے گئے ایٹمی دھماکوں نے نہ صرف سیاسی منظر نامے کو بدلا بلکہ اُردو افسانے کو بھی متاثر کیا۔ اس حساس موضوع کو کئی افسانہ نگاروں نے اپنی تخلیقات میں سمیٹا۔ انتظار حسین نے مورنامہ میں اس کا علامتی انداز میں ذکر کیا، مسعود اشعر نے پیاسی دھرتی کائنر میں اس کے اثرات کو اُجاگر کیا، جب کہ فاطمہ حسن (مہلت کا وقفہ)، شیر شاہ سیّد (ناسور) اور مبین مرزا (خواب میں ہارا ہوا آدمی) نے ایٹمی تجربات کے انسانی اور سماجی پہلوؤں کو اپنا موضوع بنایا۶۷۔

اکتوبر ۱۹۹۹ء میں پرویز مشرف کے مارشل لا کے بعد اُردو افسانے میں سیاسی جبر، بے یقینی اور خوف کی فضا کو موضوع بنایا گیا۔ اس دور کی عکاسی کرنے والے نمایاں افسانوں میں محمد منشایاد کا کہانی کی رات، آصف فرخی کا کہر، احمد جاوید کا دیمک، علی حیدر ملک کا دہشت گرد چھٹی پر ہیں، محمد حمید شاہد کا آدمی کا بکھراؤ، انوار احمد کا کفن دفن سے انکاری قاضی شاہد، شفیق انجم کا گھنی سیاہ رات اور سلیم اختر کا کاٹھ نگر میں پتلی تماشا شامل ہیں۔ ان افسانوں نے آمریت کے خلاف مزاحمت اور عوامی بے بسی کو علامتی اور حقیقت نگارانہ انداز میں پیش کیا۶۸۔ نائن الیون میں جب امریکا پر حملہ ہوا، تو اس کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوئے۔ اس حوالے سے کئی افسانے تخلیق ہوئے، جو مزاحمتی ادب کا حصّہ ہیں۔ یہ مزاحمت ہر قسم کے سیاسی، معاشی، تہذیبی اور مذہبی استیصال کے خلاف ہے۶۹۔ نائن الیون میں جب امریکا پر حملہ ہوا، تو اس کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوئے۔ اس حوالے سے کئی افسانے تخلیق ہوئے، جو مزاحمتی ادب کا حصّہ ہیں۔ یہ مزاحمت ہر قسم کے سیاسی، معاشی، تہذیبی اور مذہبی استیصال کے خلاف ہے۔ نائن الیون کے بعد بدلتے عالمی حالات اور دہشت گردی کے خلاف جنگ نے اُردو افسانے کو بھی متاثر کیا۔ اس پس منظر میں لکھے گئے نمایاں افسانوں میں مسعود مفتی کا شناخت، فرحت پروین کے افسانے بن باس، شاخِ آہو، جنک یارڈ، فاروق سرور کے گنجی چڑیا اور جادوگر، نیلم احمد بشیر کا جو کوئے یار سے نکلے، سلطان جمیل نسیم کا کشمکش، فہمیدہ ریاض کا دسترس، حمید شاہد کے گانٹھ اور سورگ میں سور اور عرفان احمد عرفی کا رئیلٹی شو شامل ہیں۔ ان کہانیوں نے دہشت، شناخت، بے دخلی، اور عالمی سیاست کے اثرات کو فکشن کے ذریعے اُجاگر کیا۷۰۔ نائن الیون اور افغانستان کی جنگ کے پس منظر میں اُردو افسانہ نگاروں نے انسانی المیے، جنگی تباہ کاریوں اور شناختی بحران جیسے موضوعات پر کہانیاں تخلیق کیں۔ ان میں رشید امجد کا پژمردہ کا تبسّم، زاہدہ حنا کا کم کم آرام سے ہے، عطیہ سیّد کا بلقان کا بت، پروین عاطف کا اینڈ آف ٹائم اور فرخ ندیم کا چودھویں رات کی سرچ لائٹ قابلِ ذکر ہیں۷۱۔ یہ افسانے عالمی سیاست کے مقامی اثرات کو علامتی اور حقیقی انداز میں پیش کرتے ہیں ۷۲۔

امریکی جنگ اور جذبۂ جہاد کے حوالے سے لکھے گئے پاکستانی افسانوں میں: محمد حمید شاہد (مرگ زار)، منشایاد (پھندہ)، خالدہ حسین (ابنِ آدم)، عاطف سلیم (لاوقت میں ایک منجمد ساعت)، اسد محمد خان (شہر مردگان)، مسعود مفتی (بھوک) شامل ہیں (۷۳)۔
۲۰۲۱ء کرونا وبا نے دنیا کو ایک ایسے بحران سے دوچار کیا جس میں انسان نہ صرف موت بلکہ موت کے خوف کا بھی شکار ہو گیا۔ اس عالمی

آفت نے انسانی ذہن، جذبات اور رویوں کو شدید متاثر کیا اور اَدب میں اس کا گہرا عکس نظر آیا۔ اُردو اَدب میں بھی اس دَور کو موضوع بنانے والے افسانے اور مجموعے سامنے آئے۔ ان میں خالد فتح محمد کا ''میں''، محمود احمد قاضی کا ''خواب گلی''، ناصر عباس نیّر کا ''ایک زمانہ ختم ہوا ہے'' اور کلیم خارجی کا ''گھٹیا آدمی'' قابلِ ذکر ہیں۔ یہ افسانے کرونا کے دَور کے نفسیاتی، سماجی اور تہذیبی اثرات کو تخلیقی انداز میں پیش کرتے ہیں۷۳۔

اُردو افسانے کے مختلف ادوار کا احاطہ کرتے ہوئے اولڈ راوینیز نے سہ ماہی جریدہ ''لوح'' کا ایک خصوصی شمارہ ترتیب دیا ہے، جس میں پاکستان اور ہندوستان کے ممتاز افسانہ نگاروں کے نمائندہ افسانے شامل کیے گئے ہیں۔ اس شمارے کے مطابق اُردو افسانے کے ابتدائی دَور میں جن اہم افسانہ نگاروں نے نمایاں کردار ادا کیا، ان میں منشی پریم چند، سجاد حیدر یلدرم، اعظم کریوی، اختر اورینوی، اوپندر ناتھ اشک، حامد اللہ افسر، حیات اللہ انصاری، راشد الخیری، سدرشن، سلطان حیدر جوش، علی عباس حسینی، قاضی عبدالغفار، مجنوں گورکھپوری، محمد علی رودلوی، محمد مجیب، ملک راج آنند اور نیاز فتح پوری شامل ہیں۷۴۔ اُردو افسانے کے دوسرے دَور میں احمد علی، سجاد ظہیر، رشید جہاں کا نام لیا جاسکتا ہے۷۵۔ اُردو افسانے کے تیسرے دور میں اختر انصاری، اختر حسین رائے پوری، احمد ندیم قاسمی، اشرف صبوحی، بلونت سنگھ، حجاب امتیاز علی، خواجہ احمد عباس، دیوندر ستیارتھی، راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، سیّد رفیق حسین، سیّد فیاض محمود، شوکت صدیقی، عصمت چغتائی، غلام عباس، کرشن چندر، مسز عبدالقادر، مرزا ادیب، ممتاز مفتی شامل ہیں۷۶۔ اُردو افسانے کے چوتھے دَور میں آغا بابر، ابراہیم جلیس، ابوالفضل صدیقی، احمد زین الدین، احمد یوسف، اختر جمال، اشفاق احمد، افسر آذر، اقبال مجید، اقبال متین، الطاف فاطمہ، انور عظیم، اے حمید، بانو قدسیہ، جمیلہ ہاشمی، جوگندر پال، جیلانی بانو، حسن منظر، حمید اختر، خان فضل الرحمٰن خان، خدیجہ مستور، ذکاء الرحمٰن، رام لعل، رحمٰن مذنب، رضیہ فصیح احمد، صادق حسین، عبداللہ حسین، عزیز احمد، غلام الثقلین، غیاث احمد گدی، قاضی عبدالستار، قدرت اللہ شہاب، قرۃ العین حیدر، کلام حیدری، محمد احسن فاروقی، محمد حسن عسکری، مسعود مفتی، ممتاز شیریں، نیّر مسعود، واجدہ تبسّم، وقار بن الٰہی، ہاجرہ مسرور شامل ہیں۷۷۔ اُردو افسانے کے پانچویں دَور میں آغا گل، ابدال بیلا، احمد ہمیش، احمد جاوید، احمد داؤد، اسد محمد خان، اسلم سراج الدین، اعجاز راہی، اکرام اللہ، الیاس احمد گدی، انتظار حسین، انور احمد، انور خان، انور زاہدی، انور سجاد، انور سن رائے، اے خیام، بلراج کومل، بلراج مینرہ، بیگ احساس، پروین عاطف، جتندر بلو، حسین الحق، حیدر قریشی، خالدہ حسین، رشید امجد، زاہدہ حنا، ذکیہ مشہدی، سریندر پرکاش، سلام بن رازق، سلطان جمیل نسیم، سلیم اختر، سمیع آہوجا، سیّد محمد اشرف، شمس الرحمٰن فاروقی، شوکت حیات، طاہر نقوی، عبدالصمد، عذرا اصغر، عطیہ سیّد، علی امام نقوی، علی حیدر ملک، علی تنہا، فرخندہ لودھی، فریدہ حفیظ، گلزار، محمد الیاس، محمد حامد سراج، محمد منشا یاد، محمود احمد قاضی، محمود واجد، مرزا حامد بیگ، مستنصر حسین تارڑ، مسعود اشعر، مشرف عالم ذوقی، مظہر الاسلام، منصور قیصر، منیر احمد شیخ، ناصر بغدادی، نجم الحسن رضوی، نند کشور وکرم، نعیم آروی، نیلم احمد بشیر، نیلو فر اقبال، یونس جاوید شامل ہیں۷۸۔

اُردو افسانے کا چھٹا دَور، آصف فرخی، امجد طفیل، اقبال نظر، تبسم فاطمہ، خالد فتح محمد، رابعہ الرباء، زین سالک، سلیم آغا قزلباش، سیمیں کرن، شاہین کاظمی، شمشاد احمد، شموئل احمد، شہناز شورو، طاہرہ اقبال، مبین مرزا، محمد حمید شاہد، محمد سعید شیخ، محمد عاصم بٹ، مریم عرفان، منیرہ احمد شمیم، نجیبہ عارف، نزہت عباسی، فاطمہ حسن پر مشتمل ہے ۹۷۔

پاکستانی اُردو افسانے کی پچھتر سالہ تاریخ دراصل اس سرزمین کے سیاسی، سماجی، تہذیبی اور نفسیاتی تجربات کی ایک تخلیقی دستاویز ہے۔ اگر ہم اس کا موضوعاتی جائزہ لیں تو اس کی ابتدا ہجرت کے کرب اور انسانی المیے سے ہوتی ہے، جو قیامِ پاکستان کے بعد وجود میں آنے والے سب سے بڑے انسانی سانحے پر مبنی ہے۔ اس کے بعد فوجی آمریت، مارشل لا کے جبر اور اظہارِ رائے کی پابندیوں نے افسانے کو علامتی اور مزاحمتی راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ۱۹۶۵ء کی جنگ نے قومی جذبے کو مہمیز دی، لیکن جلد ہی سقوطِ مشرقی پاکستان کا قومی سانحہ ادیبوں کو ایک نئی فکری اور تخلیقی نہج پر لے آیا، جس میں شناخت، شکست اور بکھرتے خواب بنیادی موضوعات بنے۔ ۱۹۷۷ء کے مارشل لا اور ذوالفقار علی بھٹو کی پھانسی کے بعد، ضیاء الحق کے دَور کی فکری گھٹن نے علامتوں اور استعاروں کے ذریعے ظلم کے خلاف ایک ادبی مزاحمت کو جنم دیا۔ اس کے بعد کراچی اور سندھ میں لسانی اور نسلی فسادات، دہشت گردی، لاپتا افراد اور خوف کے سائے میں بسر ہونے والی زندگی افسانوں کا اہم حوالہ بنی۔ بلوچستان کے المیوں کو بھی افسانہ نگاروں نے بھرپور طریقے سے بیان کیا۔ چاغی اور پوکھران کے ایٹمی دھماکوں نے انسانیت، جنگ اور طاقت کے تصور پر سوالات اُٹھائے۔ نائن الیون کے بعد بدلتی عالمی سیاست، مذہبی انتہاپسندی اور مغرب و مشرق کے بیچ کشمکش اُردو افسانے میں موضوع بنی۔ ۲۰۰۵ء کے زلزلے اور بعد ازاں کرونا کی عالمی وبا نے انسان کی بے بسی اور خوف کو ایک نئے انداز سے پیش کیا۔ یہ تمام موضوعات اُردو افسانے کو نہ صرف وقتی حالات کا ترجمان بناتے ہیں بلکہ اسے ایک مسلسل ارتقائی سفر میں بھی لے جاتے ہیں۔ انتظار حسین نے داستانوی اور علامتی انداز اپنایا، احمد ندیم قاسمی نے دیہی زندگی کے دُکھ سکھ بیان کیے، بانو قدسیہ نے عورت کے داخلی کرب کو زبان دی اور اشفاق احمد نے روحانیت اور سماجی مسائل کو سادہ مگر گہرے اسلوب میں پیش کیا۔ صحافت سے وابستہ افسانہ نگاروں نے حالاتِ حاضرہ کی تصویریں علامتی اور براہِ راست انداز میں کھینچیں۔ ہر عہد کے افسانہ نگار نے اپنے وقت کی سچائی کو، اپنے مخصوص اسلوب میں، اُردو افسانے کی روایت کا حصّہ بنایا۔ یوں پاکستان میں اُردو افسانہ نہ صرف ایک ادبی صنف رہا بلکہ عہد در عہد ایک ایسی فکری شہادت بھی بنتا رہا ہے جو معاشرے کے ہر نشیب و فراز کو محفوظ کرتا آیا ہے۔ اُردو افسانے کا یہ سفر آج بھی جاری ہے ــــ نئے موضوعات، نئے مسائل اور نئی تکنیک کے ساتھ۔

حواشی

۱۔ طاہرہ اقبال، ''پاکستانی اُردو افسانہ''، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۳

۲۔ ایضاً، ص ۱۳

٣۔ ایضاً، ص ۱۱۰

٤۔ ایضاً

۵۔ ایضاً، ص ۱۱۱

٦۔ ایضاً، ص ۱۱۵ تا ۱۲۱

۷۔ ایضاً، ص ۱۳۳

۸۔ مرزا حامد بیگ، ''اُردو افسانے کی روایت ۱۹۰۳ء تا ۱۹۹۰ء''، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، پاکستان، ۱۹۹۱ء)، ص ۷۷

۹۔ طاہرہ اقبال، ''پاکستانی اُردو افسانہ''، ص ۱۳۹ تا ۱۵۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۱۵۰، ۱۵۱

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً، ص ۱٦۰

۱۳۔ عتیق احمد، ''پچاس سالوں کے افسانوں کا انتخاب''، مشمولہ: افکار، (کراچی: جنوری فروری، ۱۹۹۵ء، افکار فاؤنڈیشن)، ص ۱۲

۱٤۔ سیّد غفور شاہ قاسم، ''پاکستانی ادب ۱۹٤۷ء تا حال''، (لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء)، ص ۸٤

۱۵۔ ایضاً، ص ۸٤

۱٦۔ طاہرہ اقبال، ''پاکستانی اُردو افسانہ''، ص ۱٦۵

۱۷۔ سیّد غفور شاہ قاسم، ''پاکستانی ادب ۱۹٤۷ء تا حال''، (لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء)، ص ۸٤

۱۸۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''پاکستانی افسانے کا فکری اور سیاسی پس منظر''، مشمولہ: پاکستانی ادب (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۱۹۹۹ء)، ص ۱٦۵

۱۹۔ طاہرہ اقبال، ''پاکستانی اُردو افسانہ''، ص ۱۷۲

۲۰۔ رشید امجد، ڈاکٹر، ''پاکستانی افسانہ، چند باتیں''، مشمولہ: پاکستانی ادب ۱۹٤۷ء۔۲۰۰۸ء (مرتب) ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۹ء)، ص ۱۵

۲۱۔ ۱۵ ستمبر، ۲۰۲۲ء، adbimiras.com/kahani-tassawur-haqiqat-alamti-afsana-prof-nasir-abbas-naiyyer

۲۲۔ ایضاً، ص ۲۱٦

۲۳۔ ایضاً، ص۲۰۹

۲۴۔ ایضاً

۲۵۔ ایضاً

۲۶۔ احمد ہمیش، ''پاکستان میں ۷۰ کے بعد کی نئی اُردو''، مشمولہ: اُردو افسانہ روایت اور مسائل، (مرتب) گوپی چند نارنگ، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء)، ص۵۱۵، ۵۱۶

۲۷۔ طاہرہ اقبال، ''پاکستانی اُردو افسانہ''، ص۱۷۲

۲۸۔ شہزاد منظر، ''تخلیقی ادب''، (کراچی: عصری مطبوعات، ۱۹۸۰ء)، ص۹۶

۲۹۔ ڈاکٹر زینت افشاں، ''اُردو فکشن پر سقوطِ ڈھاکہ کے اثرات''، (کراچی: ادارہ یادگارِ غالب، ۲۰۱۶ء)، ص۲۱۲

۳۰۔ ایضاً، ص۲۱۶

۳۱۔ ایضاً، ص۲۰۹ تا ۲۱۰

۳۲۔ محمد سلیم الرحمٰن، ''فنا کا افسانہ''، مشمولہ: ''انتظار حسین کے سترہ افسانے''، (موڈرن، پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء) ص تے

۳۳۔ انتظار حسین، ''انتظار حسین کے سترہ افسانے'' (موڈرن، پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۸۰ء)، فہرست

۳۴۔ محمد حمید شاہد، افسانہ نگار، صحافی اور مترجم ''مسعود اشعر''، مشمولہ: روزنامہ جنگ ۱۲ جولائی، ۲۰۲۱ء، jang.com.pk/news/955399

۳۵۔ ذوالفقار علی، ''رشید امجد کی افسانہ نگاری: ایک جائزہ''، مشمولہ: اُردو ریسرچ جرنل، جنوری ۲۰۲۱ء، شمارہ نمبر ۲۵، rudulinks.com/urj/?p=4634

۳۶۔ انور احمد، ڈاکٹر، ''اُردو افسانہ ایک صدی کا قصّہ''، (فیصل آباد: مثال پبلشرز، ۲۰۱۰ء)، ص۲۷۴، ۱۷۴

۳۷۔ محمد، منشا، یاد، ur.wikipedia.org/wiki/

۳۸۔ مرزا، حامد، بیگ، ur.wikipedia.org/wiki/

۳۹۔ عبدالحفیظ ظفر، ''ڈاکٹر انور سجاد کثیر الجہت شخصیت''، مشمولہ: روزنامہ دنیا، ۷ جون، ۲۰۲۲ء

۴۰۔ مسرت بانو، ''ڈاکٹر انوار احمد کے افسانوں میں سماجی اور سیاسی تناظرات''، مشمولہ: اُردو ریسرچ جرنل، جولائی، ۲۰۱۷ء،

rudulinks.com/urj/?p=1540

۴۱۔ احمد،داؤد،(مصنف)، ur.wikipedia.org/wiki/

۴۲۔ مشرف عالم ذوقی، "احمد جاوید: گمشدہ شہر کا داستان گو"، مشمولہ: یور اُردو احمد، جاوید، گمشدہ، شہر، کا، داستان، گو، yoururdu.com/

۴۳۔ urdunotes.com/lesson/hajra-masroor-biography-in-urdu

۴۴۔ اختر،جمال، ur.wikipedia.org/wiki/

۴۵۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"

۴۶۔ زاہدہ،حنا، ur.wikipedia.org/wiki/

۴۷۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، ص۴۸۴ تا۴۸۷

۴۸۔ سلیم،اختر، ur.wikipedia.org/wiki/

۴۹۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، ص۴۹۷

۵۰۔ ابرار احمد، "مزاحمتی ادب"، مشمولہ: مزاحمتی ادب (مرتب) ڈاکٹر رشید امجد، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات، ۱۹۹۵ء)، ص۲۷

۵۱۔ tafacur.com/15869

۵۲۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، ص۴۹۸ تا۵۰۷

۵۳۔ شوکت،صدیقی، ur.wikipedia.org/wiki/، بروز،۱۵ستمبر،۲۰۲۲ء

۵۴۔ ڈاکٹر سمیرا بشیر "نودولتیا طبقہ اور ہاؤسنگ سوسائٹی" مشمولہ: امتزاج (شعبۂ اردو، جامعہ کراچی، جنوری تا جون ۲۰۱۶ء)، ص۵۱،۵۲

۵۵۔ "طاہرہ اقبال پاکستانی افسانہ"، ص۵۳۱

۵۶۔ اسد، محمد، خان، ur.wikipedia.org/wiki/، بروز۱۸، ستمبر، ۲۰۲۲ء

۵۷۔ طاہرہ اقبال، "پاکستانی اُردو افسانہ"، ص۵۳۳

۵۸۔ ایضاً، ص۵۳۴

۵۹۔ ایضاً، ص۵۳۸

۶۰۔ ایضاً، ۵۴۲ تا۵۵۱

۶۱۔ ایضاً، ص۵۵۲

۶۲۔ ایضاً، ص۵۵۲

۶۳۔ ایضاً، ص۵۶۱

۶۴۔ ایضاً، ص۵۶۰ تا۵۶۴

۶۵۔ آصف فرّخی، ”زمین اظہار چاہتی ہے“، مشمولہ: زمین کا نوحہ (مرتب) ضمیر نیازی شہرزاد، کراچی، ص۴۴

۶۶۔ طاہرہ اقبال، ”پاکستانی افسانہ“، ص۵۷۹ تا۶۰۵

۶۷۔ ضمیر نیازی، ”زمین کا نوحہ“(مرتب)، کراچی، شہرزاد، ۲۰۰۱ء

۶۸۔ طاہرہ اقبال، ”پاکستانی افسانہ“، ص۶۰۶ تا۶۲۲

۶۹۔ نجیبہ عارف، ”۹/۱۱ اور پاکستانی اُردو افسانہ ۲۰۱۱ء“، (اسلام آباد: پورب اکیڈمی)، ص۳۲

۷۰۔ ایضاً

۷۱۔ ایضاً

۷۲۔ ایضاً

۷۳۔ کورونائی، ادب#افسانے /ur.wikipedia.org/wiki، ۳/اکتوبر، ۲۰۲۲ء

۷۴۔ ممتاز احمد شیخ، ”لوح“(سہ ماہی کتابی سلسلہ، شمارہ پنجم و ششم، جون تا دسمبر ۲۰۱۷ء)، ص۴

۷۵۔ ایضاً، ص۴

۷۶۔ ایضاً، ص۵

۷۷۔ ایضاً، ص۶

۷۸۔ ایضاً، ص۷،۸

۷۹۔ ایضاً، ص۱۰،۱۱

1.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", (Lahore: Fiction House, 2015), p. 13
2.As above, p. 13
3.As above, p. 110
4.As above
5.As above, p. 111
6.As above, p. 115 to 121
7.As above, p. 133
8.Mirza Hamed Baig, "Urdu Afsanay ki Riwāyat 1903 to 1990", (Islamabad: Academy Adabiyaat Pakistan, 1991), p. 77

9.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 139 to 150
10.As above, p. 150, 151
11.As above
12.As above, p. 160
13.Atiq Ahmad, "Pachas Salon ke Afsanon ka Intikhab", mashmula: Afkaar, (Karachi: Jan-Feb, 1995, Afkaar Foundation), p. 12
14.Syed Ghafoor Shah Qasim, "Pakistani Adab 1947 ta Haal", (Lahore: Book Talk, 1995), p. 84
15.As above, p. 84
16.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 165
17.Syed Ghafoor Shah Qasim, "Pakistani Adab 1947 ta Haal", (Lahore: Book Talk, 1995), p. 84
18.Rasheed Amjad, Dr., "Pakistani Afsanay ka Fikri aur Siyasi Pas-e-Manzar", mashmula: Pakistani Adab (Islamabad: Academy Adabiyaat Pakistan, 1999), p. 165
19.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 172
20.Rasheed Amjad, Dr., "Pakistani Afsana, Chand Batein", mashmula: Pakistani Adab 1947-2008 (Murattib: Dr. Rasheed Amjad), (Islamabad: Academy Adabiyaat Pakistan, 2009), p. 15
21.15 September 2022, adbimiras.com/kahani-tassawur-haqiqat-alamti-afsana-prof-nasir-abbas-naiyyer
22.As above, p. 216
23.As above, p. 209
24.As above
2٥.As above
26.Ahmad Hamesh, "Pakistan mein 70 ke baad ki nai Urdu", mashmula: "Urdu Afsana Riwayat aur Masail", (Murattib: Gopi Chand Narang), (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 1984), p. 515, 516
27.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 172
28.Shehzad Manzar, "Takhliqi Adab", (Karachi: Asri Matboo'at, 1980), p. 96
29.Dr. Zeenat Afshan, "Urdu Fiction par Suqoot-e-Dhaka ke Asrat", (Karachi: Idara-e-Yadgar-e-Ghalib, 2016), p. 212
30.As above, p. 216
31.As above, p. 209 to 310
32.Muhammad Saleem ur-Rahman, "Fana ka Afsana", mashmula: "Intizar Hussain ke Satrah Afsanay", (Modern Publishing House, New Delhi, 1980), p. (te)
33.Intizar Hussain, "Intizar Hussain ke Satrah Afsanay", fehrist
34.Muhammad Hameed Shahid, Afsana Nagar, Sahafi aur Mutarjim "Masood Ash'ar", mashmula: Roznama Jang, 12 July, 2021, jang.com.pk/news/955399
35.Zulfiqar Ali, "Rasheed Amjad ki Afsana Nigari: Ek Jaiza", mashmula: Urdu Research Journal, January 2021, shumarah no. 25, rudulinks.com/urj/?p=4634
36.Anwar Ahmed, Dr., "Urdu Afsana Aik Sadi ka Qissa", (Faisalabad: Misal Publishers, 2010), p. 471, 472

37.Muhammad Mansha Yad, Afsanavi Majmua, ur.wikipedia.org/wiki/
38.Mirza Hamed Baig, ur.wikipedia.org/wiki/
39.Abdul Hafeez Zafar, "Dr. Anwar Sajjad Kaseer-ul-Jihat Shakhsiyat", mashmula: Roznama Dunya, 7 June, 2022
40.Musarrat Bano, "Dr. Anwar Ahmed ke Afsanon mein Samaji aur Siyasi Tanazurat", mashmula: Urdu Research Journal, July 2017, rudulinks.com/urj/?p=1540
41.Ahmad Daud, (Musannif), ur.wikipedia.org/wiki/
42.Musharraf Alam Zoqqi, "Ahmad Javed: Gumshuda Shehar ka Dastan Go", mashmula: Your Urdu, yoururdu.com/4
43.urdunotes.com/lesson/hajra-masroor-biography-in-urdu
44.Akhtar Jamal, ur.wikipedia.org/wiki/
45.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana"
46.Zahida Hana, ur.wikipedia.org/wiki/
47.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 484 to 487
48.Saleem Akhtar, ur.wikipedia.org/wiki/
49.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 497
50.Abrar Ahmad, "Mazahmati Adab", mashmula: Mazahmati Adab (Murattib: Dr. Rasheed Amjad), (Islamabad: Academy Adabiyaat Pakistan, 1995), p. 72
51.tafacur.com/15869
52.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 498 to 507
53.Shaukat Siddiqui, "Afsanay", ur.wikipedia.org/wiki/
54.Dr. Samira Bashir, "Nodoliya Tabaqa aur Housing Society", mashmula: Imtizaj (Shoba-e-Urdu, Jamiya Karachi, Jan to June 2016), p. 51, 52
55."Tahira Iqbal Pakistani Afsana", p. 531
56.Asad Muhammad Khan, ur.wikipedia.org/wiki/
57.Tahira Iqbal, "Pakistani Urdu Afsana", p. 533
58.As above, p. 534
59.As above, p. 538
60.As above, p. 542 to 551
61.As above, p. 552
62.As above, p. 552
63.As above, p. 561
64.As above, p. 560 to 564
65.Asif Farrukhi, "Zameen Izhaar Chahti Hai", mashmula: Zameen ka Noha (Murattib: Zameer Niazi Shehrazad, Karachi), p. 44
66.Tahira Iqbal, "Pakistani Afsana", p. 579 to 605
67.Zameer Niazi, "Zameen ka Noha" (Murattib), Karachi, Shehrazad, 2001
68.Tahira Iqbal, "Pakistani Afsana", p. 606 to 622
69.Najeeba Arif, "9/11 aur Pakistani Urdu Afsana 2011", (Islamabad: Poorab Academy), p.32
70.As above
71.As above

72.As above
73.Koronai Adab Afsanay, ur.wikipedia.org/wiki/, 3 October 2022
74.Mumtaz Ahmad Sheikh, "Lauh" (Sah-Mahi Kitabi Silsila, Shumarah Panjm o Shashm, June to December 2017), p. 4
75.As above, p. 4
76.As above, p. 5
77.As above, p. 6
78.As above, p. 7, 8
79.As above, p. 10, 11